بزم مملوکیہ

از

(مولانا ابو محفوظ الکریم معصومی لکچرر تاریخ مدرسہ عالیہ کلکتہ)

فن تاریخ اور تاریخ نویسی کے متعلق عصری رجحانات اور بدلتے ہوئے ظروف و احوال کے تقاضوں کے پیش نظر آج اس بات کی ضرورت شدت سے محسوس کی جارہی ہے کہ اپنے ملک کے اسلامی عہد کی تاریخ تمدنی، ثقافی اور علمی و ادبی نقطۂ نگاہ سے از سرِ نو مرتب کرکے پیش کی جائے۔ اور ان تمام تاریک پہلوؤں پر روشنی ڈالی جائے جو اگلے مؤرخین کے عام رجحانات کے مطابق فنِ تاریخ کے ثانوی ابواب سمجھے جاتے تھے۔

اس خاص سلسلہ کی تاریخی کتابوں کی تدوین کا کام بہت دشوار اور صبر آزما ہے جس میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے قلتِ مآخذ کے باوجود قدیم و جدید مطبوعات کی ایک معتدبہ تعداد کی عرق ریزی سے گذر کر قلمی کتابوں کے سیکڑوں بلکہ ہزاروں صفحات سے جستہ جستہ فقروں کو جمع کرنا ضروری ہے پھر کہیں ان منتشر ریزوں کو قرینہ سے سجانا اور اور سلیقہ سے نظم دے کر بساطِ علم و تحقیق پر پیش کرنا ممکن ہوتا ہے۔

ملک کے وہ ادارے ہماری تحسین و آفریں کے واقعی حقدار ہیں جن کے رفقا اپنے ملک و قوم کی موجودہ پود اور آئندہ نسل کی خاطر سلف کی تاریخ کا مطالعہ اس زاویۂ نگاہ سے کرتے ہیں اور ان اوراقِ پارینہ کو اپنی محنتِ شاقہ کے ذریعہ نئی روشنی میں ترتیب دینے کی فکر میں مصروفِ عمل رہتے ہیں۔ مشہور علمی ادارہ دار المصنفین اعظم گڈھ (یوپی) کے لائحہ عمل میں اس قسم کے تاریخی سلسلوں کو نمایاں اہمیت حاصل ہے، چنانچہ علمی و ادبی تاریخ کے سلسلہ کی ایک قابل قدر کتاب بزم تیموریہ اسی ادارہ کی طرف سے شائع

ہو کر علمی حلقوں میں متعارف ہو چکی ہے۔ زیر بحث کتاب اسی سلسلہ کی ایک اہم کڑی ہے۔ جو اول الذکر کتاب ہی کے فاضل مؤلف جناب سید صباح الدین عبدالرحمٰن ایم۔اے کے قلم سے نکلی ہے اور سالِ رواں میں دار المصنفین کی طرف سے منظرِ عام پر آئی ہے۔

کتاب میں عہدِ ممالیک ہند یعنی قطب الدین ایبک (۶۰۲ھ تا ۶۰۷ھ) کی تخت نشینی سے معز الدین کیقباد (۶۸۶ھ تا ۶۸۸ھ) کے عہدِ سلطنت تک کل چوراسی سال کی علمی و ادبی تاریخ، محققانہ پیرایۂ بیان میں پیش کی گئی ہے اسی مناسبت سے کتاب کا نام بزم مملوکیہ رکھا گیا ہے۔

ٹائٹل پیج کے بعد ہی زیرِ بحث سلاطین اور ان میں سے ہر ایک کے عہدِ حکومت سے متعلق ذیلی عنوانات کی فہرست چھ صفحوں میں ملتی ہے۔ پھر کتاب کا پیش لفظ معروف صاحب قلم مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی کے قلم سے اور اس کے بعد خود مؤلفِ کتاب کا دیباچہ کل چھ صفحوں کو محیط ہے۔ اصل کتاب ۳۴۹ صفحوں پر پھیلی ہوئی ہے اخیر میں ایک غلط نامہ بھی شامل ہے۔

کتاب کو پڑھ کر انصاف پسند طبائع کے لئے یہ باور کرنا آسان ہو جاتا ہے کہ اسلامی ہند کے یہ تاجدار جن کی غلامانہ زندگی عظیم الشان سلطنتوں کا پیش خیمہ ثابت ہوئی تھی اُن کی شخصیتیں کچھ ملک گیری و تیغ آزمائی ہی کے لئے وقف نہیں تھیں بلکہ علم و فن، حکمت و دانش، شعر و ادب کی سرپرستی، تمدنی و ثقافتی قدروں کے تحفظ و بقار اور ذہنی و دماغی ارتقار کے اسباب مہیا کرنے میں بھی غیر معمولی طور پر سرگرم کار رہی تھیں۔

کتاب کی ترتیب عام تذکروں اور طبقاتی کتابوں کے نہج پر نہیں ہے بلکہ سیاسی تاریخ کے اعتبار سے رکھی گئی ہے لہٰذا کتبِ تراجم کی طرح کسی ایک شخص کا مکمل تذکرہ ایک جگہ نہیں لکھا گیا ہے۔ کتاب کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ شعرار کے کلام اور بعض

مشہور مصنفوں کے اسلوبِ نگارش پر تبصرہ کرتے ہوئے مؤلف کے قلم سے ادبی مباحث وفوائد کے سلسلہ میں کارآمد باتیں نکل گئی ہیں۔ بہرحال دہلی کے مملوک سلاطین کے عہد میں قصرِ سلطانی سے نکل کر ایک طرف اچہ اور دوسری طرف لکھنوتی تک وزراء، اُمراء، والیانِ ملک اور اقطاعداروں کے درباروں میں علمی وادبی بزم آرائیوں کی چہل پہل جس حد تک کہ مستند ماخذوں سے فاضل مؤلف کو معلوم ہوسکی ہے اس کی عکاسی بزم مملوکیہ کے صفحات میں کی گئی ہے۔

دارالمصنفین کا نام کتاب کے مستند ومعتبر ہونے کی ضمانت ہے۔ اس ادارہ کی دوسری کتابوں کی طرح زیرِ بحث تالیف بھی عصری طرزِ تحقیق پر لکھی گئی ہے اور تاریخی روایات کو قبول یا رد کرنے کے سلسلہ میں ممکنہ بحث وتمحیص سے کام لیا گیا ہے، لائق مؤلف کی کاوش ودقتِ نظر کا اعتراف کرنا ہمارا علمی واخلاقی فریضہ ہے لیکن ان کی توجہ ان مواقع کی طرف مبذول کرانا ضروری ہے جہاں راقم آثم کو ان کی پیش کردہ تحقیق سے اتفاق نہیں ہوسکا۔

(۱) فاضل مؤلف نے قطب الدین ایبک کے درباری شعراء کے تذکرہ میں اقصر الاجل افتخار الملک افضل العصر جمال الدین محمد بن نصیر کا ذکر عوفی کی کتاب لباب الالباب کے حوالہ سے کیا ہے (ص ۱۱-۱۳) ان کو کامل یقین ہے کہ جمال الدین محمد کو ایبک کے دربار سے تعلق رہا تھا اور اس نے ایبک کی شان میں مدحیہ قصائد کہے تھے۔ اس سلسلہ میں اگر کوئی شہادت مؤلف کو ملی تھی تو اس کا ذکر کرنا اور ماخذ کا حوالہ دینا ضروری تھا۔ اور اگر انھوں نے یہ نتیجہ صرف عوفی کی لباب الالباب سے اخذ کیا ہے تو میں ان کو یاد دلانا چاہتا ہوں کہ عوفی کے بیان میں ایسا اشارہ بھی موجود نہیں جس سے یہ سمجھا جائے کہ ایبک کے دربار میں جمال الدین محمد کبھی رہا تھا یا اس نے ایبک کی شان میں قصیدہ خوانی کی تھی۔ عوفی نے اس شاعر کے جو اشعار نقل کئے ہیں وہ بھی کسی قسم کی داخلی شہادت مہیا نہیں کرتے۔ اس شاعر کے متعلق عوفی کے صرف یہ الفاظ ملتے ہیں جو سلاطینِ غور کے دربار سے شاعر کے تعلق کو ظاہر کرتے ہیں ــــ "در دولت

ملوک جبال قوی حال بود و از اقبال سلطان سعید با عیشے حمید روز گذاشت ۔ (لباب الالباب ج ۱ ص ۱۷۱) مؤلف نے اسی عبارت کا آخری فقرہ اپنے مندرج ذیل دعویٰ کے ثبوت میں نقل کیا ہے :

"قطب الدین ایبک نے جمال الدین محمد کے علم کی بھی پوری قدردانی کی اور اس کی التفات شاہانہ سے جمال الدین کی زندگی عیش و عشرت میں گذری"۔ (ص ۱۲)

مؤلف کے نظریہ میں عوفی نے "سلطان سعید" سے قطب الدین ایبک ہی کو مراد لیا ہے علیٰ ہذا القیاس ان کے زعم میں وہ مدحیہ قصائد گویا ایبک ہی کی شان میں تھے جن کے منتخب اشعار عوفی نے شاعر کے ترجمہ میں درج کئے ہیں ۔ میرا خیال ذاتی طور پر یہ ہے کہ فاضل مؤلف نے جمال الدین محمد اور اسی طرح ظہیر الدین تاج الکتاب السرخسی (ص ۱۴) کا ذکر کرتے ہوئے اپنی ذمہ داری کا احساس مطلق نہیں کیا ۔ السرخسی کے ذکر میں کسی حد تک ان کو انتباہ ضرور ہوا ہے لیکن جمال الدین محمد کی بابت تو ان کے بیان سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ اپنے نظریہ کی غلطی کا انھیں احساس نہیں ۔ راقم کے عقیدہ میں مرحوم محمد خاں بن عبدالوہاب قزوینی کی بات مسلّم ہے وہ "سلطان سعید" سے متعلق حواشی میں تحریر فرماتے ہیں ۔

"سلطان سعید یعنی سلطان غیاث الدین غوری . . . . . و در طبقات (طبقات ناصری) نیز غالباً از سلطان غیاث الدین غوری بہ سلطان سعید تعبیر میکند و از برادر او سلطان شہاب الدین غوری بہ سلطان شہید" ۔ (دیکھو لباب الالباب تعلیقات میرزا محمد قزوینی ص ۳۲۶) قزوینی کا عندیہ قوی قرینہ پر مبنی ہے چنانچہ جمال الدین محمد کے بعد ہی عوفی نے فریدالکاتب کے ترجمہ میں غیاث الدین غوری کو "سلطان سعید" کہا ہے (لباب ج ۱ ص ۱۲۱) پھر فخرالدین مبارک شاہ مرورودی کے تذکرہ میں اس کا اعادہ کیا ہے (لباب ج ۱ ص ۱۲۶) عوفی نے صریح لفظوں میں فریدالکاتب اور جمال الدین محمد کے درمیان مکاتبہ و مشاعرہ کا ذکر کیا ہے ۔ غرض قرین صواب تنہا یہی شق ہے کہ جمال الدین

محمد کے ترجمہ میں سلطان سعید سے غیاث الدین غوری کو اور سلطان شہید سے شہاب الدین غوری کو مراد لیں نہ کہ قطب الدین ایبک کو اس کے بعد بزم مملوکیہ کے صفحات میں جمال الدین محمد کے لئے کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

(۲) امام صاغانی کا ذکر جس تفصیل سے کیا گیا ہے (ص ۲۹ - ۳۴) اس کا تقاضہ یہ تھا کہ چند دوسرے مآخذ سے بھی استفادہ کیا جاتا اس طرح مؤلف کے بیان میں زیادہ جامعیت پیدا ہو جاتی میں یہاں جن ماخذوں کی نشاندہی کرنا چاہتا ہوں ان میں سے یاقوت کی ارشاد الاریب (گب میموریل و دار المامون مصر) ابن ابی محرمہ کی تاریخ ثغر عدن (طبعۂ اوسکر لوفگرین)، الکتبی کی فوات الوفیات (النہضہ، مصر) اور ابن القوطی کی کتاب تلخیص مجمع الآداب فی معجم الالقاب (اورینٹیل کالج میگزین، شیرانی نمبر) کو خاص طور پر اہمیت حاصل ہے۔ یاقوت خود صاغانی سے ملا تھا اس کے مختصر بیان میں بعض مفید اطلاعات درج ہیں (ج ۹ ص ۱۸۹ مصر) ابن القوطی کو بھی امام کی رویت کا شرف حاصل ہے لیکن وہ کم عمر تھا پھر بھی اس کا دعویٰ ہے کہ صاغانی سے اس کو جملہ مصنفات و مرویات کی اجازت ملی تھی (تلخیص مجمع الآداب ص ۵۶۷) اسی طرح الکتبی کی اختصار پسندی کے باوجود اس کو نظر انداز کرنا صحیح نہیں۔ ابن ابی محرمہ کی تاریخ میں زیادہ تفصیل ملتی ہے۔ لیکن اس نے تاریخ وفات ۶۶۵ھ بتائی ہے جو ناقابل تسلیم ہے اسی تاریخ میں قاضی مجد الدین الصدیقی کی سند صاغانی تک نقل کی گئی ہے جس سے امام موصوف کے نسب نامہ میں علی کے والد کا نام معلوم ہوتا ہے یہ واضح رہے کہ عام طور پر صاغانی کا نسب نامہ علی پر ختم کر دیا جاتا ہے۔ قاضی مجد الدین دو واسطوں سے صاغانی کے شاگرد ہیں ان کی سند تصانیف ابو داؤد سجستانی کی اجازت سے متعلق ہے سند میں صاغانی کا ذکر اس طرح آیا ہے ..... الشیخ الامام الصالح ابو الفضائل الحسن بن محمد بن الحسن بن حیدر بن علی بن

اسمعیل القرشی العدوی العمری الصغانی الخ (تاریخ ثغر عدن ج ۲ ص ۵۳ لائیڈن ۱۹۳۶ء)

یاقوت کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ سنن ابی داؤد کی بے نظیر شرح معالم السنن اور اس کے جلیل القدر مؤلف الخطابی سے صاغانی کو بڑی عقیدت تھی، عدن میں ان کا خاص مشغلہ اس کتاب کا درس دینا تھا، خطابی کی نسبت اکثر یہ جملہ فرمایا کرتے تھے: اِنَّ الخطّابی جمع لھذا الکتاب جرامیزہ ۔ اس کے علاوہ ابو عبید القاسم بن سلّام کی کتاب غریب کو حفظ کرنے کی ترغیب اپنے تلامیذ کو دلاتے، وہ خود بھی اس کتاب کے حافظ تھے ۔ یمن کا سفر کئی بار کیا، یاقوت کے بیان سے ظاہر ہے کہ حج سے مشرف ہونے کے بعد ۶۱۰ھ میں عدن پہنچے دوبارہ ۶۱۳ھ میں حرمین کی زیارت کی اور یمن کو لوٹ آئے صحیح واقعہ یوں ہے کہ ۶۱۳ھ کے بعد ہی شاید پہلی دفعہ بغداد پہنچے یہاں سے خلیفۂ وقت (الناصر م ۶۲۲ھ) کی طرف سے سندھ جانے پر مامور ہوئے اس سفر کی تاریخ الھونل نے العباب الزاخر میں ۶۱۴ھ بتائی ہے ۔ (معارف ج ۶۹ ع ۲ ص ۲۲۵) اسی سفر میں ان کو دوبارہ یمن سے گذرنے کا موقعہ ملا ہوگا جس کا ذکر یاقوت نے کیا ہے ۔ ابن ابی مخرمہ اور ابن الفوطی کے یہاں ورودِ بغداد کی تاریخ ۶۱۵ھ ہے جس کے بعد ابن الفوطی کے بیان کے بموجب ان کو پیام دے کر بادشاہ ہند کے پاس بھیجا ۔ اس موقع پر بغداد سے نکل کر دوبارہ خلیفہ المستنصر کے عہد (۶۲۳ھ) سے پہلے نہیں لوٹے ۔ بہرحال یمن کئی بار گئے اور ان کا قیام زیادہ تر عدن میں رہا جہاں طُلّابِ علم کو درس دینے کے علاوہ کئی نسخے صحیح بخاری کے اپنے قلم سے لکھ کر وقف کئے ان کی مجلس تحدیث الوزیر یاسر بن بلال کی تعمیر کردہ مسجد میں منعقد ہوتی تھی جو مسجد ابن البصری کے نام سے مشہور ہوگئی تھی ۔

صغانی کے ممتاز تلامذہ میں ایسے لوگ بھی ہیں جن کے نام عام طور پر مشہور نہیں مثلاً ابو اسحق ابراہیم بن ادریس الازدی السُرددی نے صغانی سے ان کی جملہ مرویات کو اخذ کیا

(تاریخ ثغر عدن ج ۲ ص ۲) قاضی ابراہیم ابن محمد القریظی نے الخطب النباتیہ کی اجازت حاصل کی (الیضاح ۲ ص۹۱) ابوالربیع سلیمن ابن الفقیہ بطال محمد الرکبی مخصص تلامذہ میں تھے (الیضاح ۲ ص۹۷) ابوالربیع مذکور کے والد فقیہ بطال صغانی کے ہمسر تھے ہر ایک نے دوسرے سے اخذ کیا (الیضاح ۳ ص۲۰۱) محمد بن الحسن التیمی الفارسی نے لغت کا فن حاصل کیا (الیضاح ۳ ص۲۰۹) منصور بن حسن بن منصور الفُرسی نے مقامات حریری اور دوسری کتابیں پڑھیں (الیضاح ۳ ص۲۳۶) احمد بن علی السُردری نے ۶۰۳ھ کے بعد جب صغانی کا ورود تعز میں ہوا تو اخذ علم کیا اور احمد بن محمد بن عمر بن اسمٰعیل الشہرزوری کو بھی تلمذ کا شرف حاصل تھا جنہوں نے صغانی کے مرثیہ میں یہ ابیات کہے

اقول والشمل فی ذیل النوی عثرا — الخ

صغانی کے کلام کا جو نمونہ سیوطی کی بغیۃ الوعاۃ میں ملتا ہے اس کے علاوہ یاقوت کی ارشاد الاریب میں چار اشعار ہیں جن پر اپنی تالیف مناسک الحج ختم کی تھی:

شوقی الی الکعبۃ الغراء قد زادا — الخ

احمد بن علی السردری کے حوالہ سے الجندی نے دو شعر درج کیے ہیں: تعلمت اسباب القناعۃ یافعا — الخ

ابن ابی مخرمہ نے الخزرجی کے حوالہ سے ایک پورا قصیدہ نقل کیا ہے جو ۹۰ ابیات پر مشتمل ہے یہ قصیدہ ابن ابی مخرمہ کے عہد ہی میں عزیز الوجود ہو چکا تھا اسی کا مطلع ہے:

أنسانی الدھر أعطانی واوطانی — وحطنی ورھا والخسف اوطانی

قصیدہ میں صاغانی اپنی سرگذشتِ حیات کی طرف اشارات کرتے ہیں ہند، سند، مکران کا ذکر کرتے ہیں لیکن لاہور، بدایوں یا غزنہ کا ذکر نہیں کرتے قصیدہ کے آخری ابیات میں ایک جگہ اپنا عمری ہونا واضح کرتے ہیں:

فقلت یا دھر سالمنی مسالمۃ — فاننی عمریٌ ثم صاغانی

فوائد الفواد کی روایت میں صغانی کا تعلق غیر مبہم طور پر بداؤں سے ثابت ہے لیکن اسے مولد قرار دینے کے لئے روایت کے الفاظ کافی نہیں ہیں جیسا کہ مؤلف کا خیال ہے

(صـ۳۲)۔ فوائد الفواد کی یہ روایت بلاشک امام صغانی ہی سے بحث کرتی ہے اور حسن سجزی کی مسامحت کا جو احتمال ظاہر کیا گیا ہے اسے تسلیم کرنے کو راقم آمادہ نہیں۔ سجزی کے قربِ زمانی کو دیکھتے ہوئے ان کی طرف تخلیط کی نسبت قرینِ قیاس نہیں، اگر صاحب نزہۃ الخواطر فوائد الفواد کے رضی الدین صغانی کا ذکر زیر بحث صغانی کے ترجمہ سے علیحدہ کرتے ہیں تو اس سے حسن سجزی کے بیان کو مشتبہ قرار دینا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے۔

صغانی کی تصانیف کو شمار کراتے ہوئے مؤلف نے لکھا ہے: ــــ "حدیث میں ان کی اور دوسری تصانیف یہ ہیں۔ التکملہ علی الصحاح، یا التکملہ والذیل والصلہ، الدار(؟) الملتقط فی تبیین الغلط، رسالہ فی الاحادیث الموضوعہ" الخ (صـ۳۲)

التکملہ علی الصحاح کے نام سے مؤلف کو سخت دھوکا ہوا ہے صحاح کے لفظ سے ان کا خیال یقیناً حدیث کے مشہور مجموعے صحاح ستہ کی طرف منتقل ہو کر رہ گیا اور وہ سمجھ رہے ہوں گے کہ حدیث کی کتب ستہ کے تکملہ کے طور پر امام صغانی کی یہ تالیف ہوگی۔ گو کہ لفظ صحاح سے اوّلاً انہی کتابوں کی طرف انتقالِ ذہن ہوتا ہے لیکن یہاں اس سے صحاح اللغۃ وتاج العربیہ للجوہری مراد ہے جو لغتِ عرب کی معروف و متداول کتاب ہے۔ امام صاغانی کی کتاب فنِ لغت میں جوہری کی مذکورہ کتاب کا تکملہ ہے اسی کا نام الذیل والصلہ بھی ہے ابن ابی مخرمہ کا بیان ہے:

"وھما کتابٌ واحد ذکر فیہ ما اھملہ الجوھری فی صحاحہ وجعلھما الخزرجی کتابین"

اس ضخیم تالیف کے معتبر نسخے مصنف کی زندگی کے لکھے ہوئے بلادِ اسلامیہ کے بعض کتب خانوں میں محفوظ ہیں:۔ (تاریخ ثغر عدن ج ۲ صـ۵۴)

الدر الملتقط کا موضوع بے شک حدیث ہے لیکن رسالہ فی الاحادیث الموضوعہ کوئی علیحدہ کتاب نہیں ہے یہ ایک رسالہ ہے جس میں موضوع اور جعلی حدیثوں پر بحث ہے

اس کا پورا نام کتاب الدر الملتقط فی تبیین الغلط ونفی اللغط فی الاحادیث الموضوعہ ہے ۔

نعت میں صغانی کی سب سے زیادہ ضخیم کتاب العباب الزاخر واللباب الفاخر ایک بے مثل کتاب سمجھی گئی ہے جو ادھوری رہی تھی، مؤلف نے یہ تصریح نہیں کی ہے کہ یہ کتاب ناتمام رہی اور مادہ "بکم" تک پہنچے تھے کہ صغانی کی شمعِ حیات گل ہوگئی ۔ یہ کتاب آخری عباسی خلیفہ المستعصم کے وزیر مؤید الدین ابن العلقمی کے خزانہ کے لئے لکھی گئی تھی اس کی پہلی جلد دار الکتب المصریہ میں محفوظ ہے ایا صوفیا اور کوپرولو میں اس کی مختلف جلدیں باقی ہیں، یہ واضح رہے کہ صغانی کے جسم میں اخیر عمر میں رعشہ پیدا ہوگیا تھا چنانچہ اپنے قصیدہ میں فرماتے ہیں :

فصار سہمی فی شیبی وفی کبری وفی ارتعاشی بعد الاول الثانی

اس غیر اختیاری حالت میں بھی ان کا قلم برابر رواں رہا کیا اور خط پر رعشہ کا جیسے کوئی اثر نہیں پڑا، ان کا خط ضبط واملائی خصوصیات کے اعتبار سے اعلیٰ درجہ کا مانا گیا ہے مجلہ معارف کے محولہ بالا صفحہ سے واضح ہوگا کہ امام موصوف الفاظ کے ضبط میں کس حد تک اہتمام فرمایا کرتے تھے ۔

بعض کتابوں کے نام محرّف یا ادھورے ہیں مثلاً توشیح الدریدیہ کا صحیح نام نظم القلادۃ السمطیۃ فی ترشیح الدریدیہ ہے، اسی طرح التراکیب، کتاب تراکیب مجمع البحرین اور الذئب کتاب اسماء الذئب ہے ؛

(۳) تاج الدین زیزہ کی منسوبہ نظم سلطان رضیہ کی شان میں جس کے متعلق بہ قول مؤلف پروفیسر شیرانی مرحوم کو تردد لاحق رہا پھر اپنے اخیر نوشتہ میں گویا انھوں نے اسے تاج زیزہ ہی کا کلام قرار دیا (ص ۱۱۸ -) اسی نظم کے متعلق میری گذارش درج ذیل ہے، یہ بات مؤلف تسلیم کرتے ہیں کہ زیر بحث نظم کلیات انوری کے نسخوں میں شامل ہے

اور خود حافظ محمود شیرانی مرحوم نے ایک معتبر نسخہ میں اس نظم کو پایا تھا۔ لیکن ان کے نسخہ میں مخاطب کا نام "کریمۃ النساء رضیۃ الدین" تھا اور مؤلف کے پیش نظر نسخہ میں "صفوۃ الدین مریم" ہے میری نظر سے بھی ایک معتبر نسخہ گذرا ہے جس میں سرخی کی جگہ خالی رہ گئی ہے لیکن اشعار میں "کریمۃ النساء" کے بجائے "زبدۃ النساء" کے الفاظ ہیں ابیات اس طرح ہیں :

سلطانت کہ زبدۃ النسا خواند شد ذات شریف تو مکرم
راضی زتو اے رضیۂ دین جبار تو (؟) ذوالجلال اکرم

شعر میں صرف "رضیۃ الدین" یا "رضیۂ دین" کے الفاظ کی بنا پر یہ خیال ظاہر کیا گیا ہے کہ رضیہ بنت التمش کی شان میں یہ نظم ہو گی اس کے علاوہ اور دوسری شہادت کا ذکر نہ تو شیرانی مرحوم نے کیا ہے اور نہ مؤلف نے۔ راقم السطور کے خیال میں "صفوۃ الدین"، "زبدۃ النساء"۔ "کریمۃ النساء" اور "رضیۂ دین" صرف القاب و آداب ہیں اور شہزادی کا اصل نام مریم ہے جیسا کہ اسی نظم میں آتا ہے :

موجود شد از توجود و احساں چونکہ مسیح شد ز مریم

میرے خیال کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ اسی معزز خاتون کو ایک اور نظم میں خطاب کیا گیا ہے جس کا عنوان لیمدح السلطان الخواتین صفوۃ الدین مریم گویند (؟) ہے اس نظم کا مطلع حسب ذیل ہے :

اے نہاں گشتہ در بزرگی خویش وز بزرگی ز آسماں شدہ پیش

اور ایک شعر جس سے اس معزز خاتون کا نام معلوم ہوتا ہے وہ بھی سن لیجئے :

شاد باش اے بمعجزاتِ کرم مریمے از ہزار عیسی بیش

اس نظم میں رضیۃ الدین، کریمۃ النساء یا زبدۃ النساء کے الفاظ نہیں آتے ہیں اور یہ نظم مسلمہ طور پر انوری کی کہی جا سکتی ہے اس لئے کہ جن نظموں کی نسبت تاج ریزہ کی طرف کی جاتی ہے ان میں یہ داخل نہیں ہے۔ اب یہ بات یقین کی حد تک پہنچ جاتی

ہے کہ دونوں نظمیں کسی سلجوقی خاتون مریم کی مدح میں ہیں جس کی توصیف میں شاعر نے کبھی "رضیۃ الدین" اور کریمۃ النساء کے القاب بھی نظم میں پرو دیئے ہیں ان میں سے ظاہر ہے کہ اصل خطاب تو ایک ہی ہوگا باقی الفاظ اختلافِ نسخ سے زیادہ نہیں ہیں۔ مؤلف نے بظاہر کماحقہ تأمل سے کام نہیں لیا اور نہ دوسری نظم کے متعلق غور کیا ورنہ زیر بحث نظم کی بابت ان کا رجحان تاج ریزہ کے حق میں نہ ہوتا میرے پیش نظر جو نسخے رہے ہیں وہ ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کے کتب خانہ میں محفوظ ہیں (شمارہ : ۵۰۴ و ۵۱۴ ذخیرۂ سوسائٹی)

امیر فخرالدین عمید سنامی جس کو عمید تولکی بھی کہتے ہیں اس کے متعلق مؤلف نے تحریر فرمایا ہے:

"ملا عبدالقادر بدایونی نے سلطان ناصرالدین محمود کے عہد میں امیر فخرالدین عمید کا تعارف ایک شاعر کی حیثیت سے کرایا ہے اور سلطان کی شان میں اس کا ایک قصیدہ نقل کر کے اس کو بھی ان کے مدح خوانوں میں شمار کیا ہے۔" (ص ۱۹۶)

میں اولاً یہ واضح کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ ملا عبدالقادر بدایونی نے منتخب التواریخ میں عمید کا جو تعارف کرایا ہے اس کی حیثیت کیا ہے اس تعارف کی کوئی مستقل حیثیت نہیں ہے منتخب التواریخ کا سیاق و سباق پیش نظر ہو تو آپ دیکھیں گے کہ بدایونی کے سلطان ناصرالدین محمود بن التمش کی وفات کا ذکر کرنے کے بعد شمس دبیر کے متعلق لکھا ہے کہ عہد ناصری کا شاعر تھا لیکن انہوں نے سلطان ناصرالدین محمود کے دربار سے اس کے روابط پر مطلق روشنی نہیں ڈالی ہے اور اپنی اختصار پسندی کی بناء پر گویا بطریقِ طفرہ یہ بیان کرنا شروع کر دیا ہے کہ عہد بلبنی میں شمس دبیر سلطان ناصرالدین محمود بغرا خان سلطان غیاث الدین بلبن کی ملازمت میں مملکت بنگالہ و کامرود کا منشی دبیر بنا دیا گیا ساتھ ہی ملا صاحب نے شمس دبیر کا ایک قصیدہ درج فرمایا ہے جس کی ردیف "خام" ہے اس قصیدہ کے منتخب اشعار کو ختم کرتے ہی غیر متوقع طور پر عمید سنامی کے قصیدہ کا ذکر ان لفظوں میں کیا ہے:

"و ملک الملوک (؟) والکلام امیر فخرالدین عمید نونکی (؟) می فرماید در قصیدۂ کہ

مطلعش اینست : چو بردارد نگارم چنگ بند د زخمہ بر ناخن ـــ الخ

(منتخب التواریخ ج۱ ص۹۶ کلکتہ)

قصیدہ کے منتخب ابیات نقل کرنے کے بعد جیسے ملا صاحب کا جی چاہا کہ اس کے اور پسندیدہ قصائد بھی نقل فرما دیں چنانچہ انھوں نے متعدد قصائد حمد، نعت، مدائح و حبسیات نقل کر دیئے ہیں اب یہ بیان کرنا شاید ضروری نہ ہو کہ عمید کا ذکر ضمناً آگیا ہے۔

فی الحال مجھے ردیف "ناخن" والے قصیدہ کی بابت یہ کہنا ہے کہ ملا صاحب نے خود کسی قسم کی صراحت نہیں کی ہے کہ عمید کا یہ قصیدہ سلطان ناصر الدین پسر التمش کی مدح میں ہے۔ اور نہ سیاقِ کلام کی دلالت سے یہ بات ثابت ہوتی ہے۔ البتہ اس قصیدہ میں "شہنشہ ناصر دنیا و دین محمود" کو خطاب کیا گیا ہے اور یہیں سے جناب مؤلف یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ قصیدہ سلطان ناصر الدین محمود کی شان میں کہا گیا ہے لیکن میرے خیال میں اگر یہ کہا جائے کہ اس قصیدہ کا مخاطب ناصر الدین محمود بغرا خاں ہے تو اس کا قوی قرینہ موجود ہے۔ کہ ملا عبد القادر نے جس ترتیب سے شمس دبیر کے قصیدہ کے بعد عمید تولکی کا قصیدہ نقل کیا ہے اس کا تقاضہ یہ ہے کہ شمس دبیر اور عمید دونوں کے قصیدوں کا مخاطب سلطان ناصر الدین محمود کے بجائے بلبن کا فرزند بغرا خان ہو۔ یہ بات قابل تسلیم نہیں کہ شمس دبیر اور عمید دونوں کے قصیدے علی الترتیب کسی قریبی مناسبت کے بغیر نقل کر دئے گئے ہوں۔ اور ان دونوں میں اگر کوئی مناسبت ہوسکتی ہے تو یہی کہ دونوں کا مخاطب ایک ہو۔ ورنہ اس کے کیا معنی کہ شمس دبیر کے قصیدہ کا مخاطب تو ناصر الدین بغرا خاں ہو اور عمید کے قصیدہ کا مخاطب سلطان ناصر الدین بن التمش کو قرار دیا جائے۔ ملا صاحب کے بیان سے واضح طور پر مترشح ہوتا ہے کہ خود ان کے خیال میں عمید کا ذکر برمحل نہیں آیا چنانچہ ان کے الفاظ ہیں:۔

"چوں ذکر عمید کہ مستوفی جمیع ممالک ہندوستان بود درمیان آمد چیزے از اشعار او راکہ عزیز الوجو است ایراد نمودن ضروری بود" (منتخب التواریخ ج ۱ ص ۹۹ کلکتہ)

"درمیان آمد" کے الفاظ پر غور فرمائیے میرے نزدیک تو ان لفظوں کا یہی مطلب

ہوا کہ عمید کا ذکر اصل موقع و محل میں نہیں کیا گیا ہے لیکن شمس دبیر کے قصیدہ کی مناسبت سے جب اس کا قصیدہ بھی نقل کر دیا گیا تو اسی جگہ دوسرے قصائد بھی درج کر دیئے گئے۔ بہر حال ملا عبد القادر کے سیاق و سباق کو دیکھتے ہوئے میرا خیال یہ ہے کہ عمید کا زیر بحث قصیدہ ناصر الدین محمود بغرا خاں کی شان میں ہے۔ اور ملا عبد القادر کے متعلق یہ کہنا کہ انھوں نے عمید کو سلطان ناصر الدین محمود کے مدح خوانوں میں شمار کیا ہے ہرگز صحیح نہیں۔

عمید کی تاریخ ولادت اس کے ایک شعر سے نکلتی ہے۔ بہ قول مؤلف عرفات العاشقین میں اسی شعر سے تاریخ ولادت ۶۵۵ھ نکالی گئی ہے اور مجمع الفصحاء، گل رعنا ریاض الشعراء میں ولادت کی یہی تاریخ بیان کی گئی ہے لیکن فاضل مؤلف نے ان تمام مآخذوں کی بتائی ہوئی تاریخ کو قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے جس شعر سے عرفات العاشقین میں ۶۵۵ھ تاریخ نکالی گئی ہے اسی سے آپ ۶۰۱ھ تاریخ نکالتے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ انھوں نے اس شعر کے مفہوم پر غور کرنے کی زحمت گوارا نہیں کی اور منتخب التواریخ کے انگریز مترجم (Ranking) کی نکالی ہوئی تاریخ کو بدون تامل قبول کر لیا ہے۔ بہر حال پہلے عمید کے چند اشعار سن لیجئے پھر اس بحث پر غور فرمائیے:

یارب اگرچہ بیش ازیں بود مرا دل و جگر   خستہ دل بریخگل بستۂ گل رخ یمک
در سر نون و دال عمر از پس خا و نون دہا   شکر کہ مرغ ہمتم رست بجہد زیں ترک
دست فشاندہ ام بریں، پائے کشادہ ام ازاں   جستہ زہر دو دامگہ چوں گل خارہ از فلک

بحث کا تعلق دوسرے شعر سے ہے جس سے تاریخ ولادت نکلتی ہے۔ مؤلف کے الفاظ یہ ہیں:

"دوسرے شعر میں ن اور د کے تو ۵۴ - اور خ ن ہ کے ۶۵۵ ہوئے شعر میں "پس خا و نون دہا" ہے یعنی ۶۵۵ سے ۵۴ کو گھٹا لیا جائے پھر تعجب ہے کہ عرفات العاشقین نے ۶۵۵ھ کیسے تاریخ ولادت بتائی ہے۔ ۶۰۱ھ ہونی چاہیئے۔" (ص ۴۰۲)

جناب مؤلف نے اپنے خیال کے بموجب تاریخ نکالنے میں کامیابی تو حاصل کرلی ہے لیکن اس تاریخ سے دوسرے مصرعہ کے مفہوم کو کیا تعلق باقی رہتا ہے اور شعر کا اصل مطلب کیا ہے اس سے انھوں نے کچھ تعرض نہیں کیا۔ میرے نزدیک شعر کا صحیح مفہوم مقدم ہے تاریخ خواہ کچھ بھی نکلے۔ اور وہی تاریخ صحیح ہوگی جس سے شعر کا مفہوم خبط نہ ہوگیا ہو۔ مفہوم سیدھا سادہ یہ ہے کہ ۶۵۵ھ کے بعد اپنی زندگی کے ۵۴ ویں سال میں، شکر ہے، کہ ہمارے مرغِ ہمت کو ہوا و ہوس کے دام سے رستگاری مل گئی۔ شاعر اپنی عمر کے گذشتہ سنین کا شمار ۶۵۵ھ سے کر رہا ہے جیسا کہ "ازپس" کے لفظ سے واضح ہے۔ لہٰذا ۶۵۵ اور ۵۴ دونوں عددوں کو جمع کیجئے تو نظم کی تاریخ ۷۰۹ھ ہاتھ آئے گی جب کہ شاعر کی زندگی کا ۵۴ واں سال شروع ہو چکا تھا۔ پس عرفات العاشقین کے مؤلف نے جو تاریخ نکالی ہے وہی صحیح ہے اس شعر سے تین باتیں معلوم ہوتی ہیں، شاعر کی تاریخ ولادت ۶۵۵ھ، نظم کی تاریخ ۷۰۹ھ اور شاعر کی عمر۔ یہ بات بھی ثابت ہو جاتی ہے کہ ۷۰۹ھ کے اوائل میں شاعر یقیناً زندہ تھا۔ منتخب التواریخ کے مترجم Rankingاور اس کی تقلید میں جناب مؤلف نے لفظ "ازپس" سے عمل تفریق کی طرف اشارہ کیسے سمجھ لیا میری فہم سے بالا ہے۔ ۶۵۵ سے ۵۴ کو گھٹا لیا جائے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ یہ شعر مہمل ہے۔ سخت تعجب ہے کہ عرفات العاشقین، ریاض الشعراء، گل رعنا اور مجمع الفصحا کی بتائی ہوئی تاریخ کو انھوں نے کیسے گوارا کرلیا کہ اس آسانی سے رد کردیں۔ بظاہر یہ دعویٰ کہ عمید نے سلطان ناصرالدین محمود کی شان میں ایک مدحیہ قصیدہ پیش کیا (ص ۴۰۲) اسی کو ثابت کرنے کے لئے مؤلف نے عمید کی تاریخ ولادت سے متعلق رین کنگ کے غلط خیال کی تقلید کی۔ منتخب التواریخ جس کے بیان کے پیشِ نظر مؤلف نے ایسا دعویٰ کیا ہے سطور بالا میں اسی کتاب کے سیاق و سباق کے حوالہ سے میں واضح کرچکا ہوں کہ سلطان ناصرالدین محمود کو عمید کا ممدوح و مخاطب قرار دینا صحیح نہیں۔ اور ملا عبدالقادر کا مقصد

اُس سے قطعاً جداگانہ ہے جو مؤلف نے سمجھا ہے۔

عمید کی عمر نو سال کی تھی کہ سلطان ناصر الدین محمود کی وفات واقع ہوئی وہ غیاث الدین بلبن کے عہد میں سنِ شعور کو پہنچا۔ ملا عبد القادر نے اس کے جتنے قصیدے نقل کئے ہیں اُن میں سے ایک قصیدہ بھی غیاث الدین بلبن سے براہِ راست تعلق نہیں رکھتا۔ لیکن مؤلف نے اس کے دو قصیدوں کے متعلق پوری شرح و بسط کے ساتھ یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ان کا مخاطب غیاث الدین بلبن تھا (ص ۲۰۴-) ان میں سے ایک قصیدہ کے دو شعر یہاں درج ہیں :-

شاہ جہانکشائے نصیر الحق آنکہ ہست ۔۔۔ چوں من بہ دورِ دولت ایں شہریار ہند
والا محمد بلبن کز کمند قہر ۔۔۔ بر سرکشاں ہند بگہ کارزار ہند

دوسرے قصیدہ میں اس طرح خطاب کیا گیا ہے :

محیط فیض نصیر الحق آنکہ بکشادند ۔۔۔ زگرد سفرۂ اکرامش انس و جاں روزہ
قضا طلیعہ محمد کہ بند نیزۂ او ۔۔۔ بخونِ خصم کشاد از سرِ سناں روزہ

مختلف تذکرہ نگاروں کا جو بیان مؤلف نے نقل کیا ہے اس کی روشنی میں شہزادہ محمد پسر سلطان غیاث الدین بلبن کے دربار سے عمید کا وابستہ رہنا ثابت ہوتا ہے۔ اور دونوں قصیدوں کے جو ابیات درج ہوئے ان سے تذکرہ نگاروں کے بیان کی تصدیق و توثیق ہوتی ہے۔ ایک قصیدہ میں شہزادہ کو نصیر الحق محمد بلبن اور دوسرے میں نصیر الحق محمد کہا گیا ہے۔ شہزادہ محمد، سلطان غیاث الدین کا فرزند اکبر تھا وہ بلند شخصیت کا مالک تھا بلبن نے اسے قاآن ملک کا خطاب دیا تھا، مغلوں سے جنگ کرتا ہوا ۶۸۳ھ میں شہید ہوا۔ اور خان شہید کے لقب سے اس کی یاد باقی رہ گئی۔ پہلے قصیدہ میں محمد بلبن بہ اضافت گویا عربی طریقہ کے مطابق محمد بن بلبن ہے۔ میرا عقیدہ ہے کہ دونوں قصیدے قاآن ملک محمد سے تعلق رکھتے ہیں۔ مؤلف نے محمد بلبن کو بلبن قرار دیا جو صریحاً غلط ہے۔

بلبن کو محمد بلبن کہنے کے متعلق انھوں نے کوئی ثبوت پیش نہیں کیا ہے۔ نصیر الحق کو انھوں نے بلبن کی صفت قرار دی ہے پھر اپنی بے اطمینانی کا اظہار ان لفظوں میں کیا ہے: "مگر تعجب ہوتا ہے کہ شاعر نے بلبن کے لئے غیاث الدین کا لقب کیوں نہیں استعمال کیا" (ص ۲۰۵)

عمید اور سلطان بلبن کے ذیلی عنوان کے ماتحت انھوں نے جو تحقیق پیش فرمائی ہے وہ ایک ہی نقطہ کے گرد دائر و سائر رہتی ہے۔ یعنی ان کی پوری تحقیق اس خاص مسئلہ میں محمد بلبن کی اضافت سے لاعلمی کے گرد گردش کرتی ہے۔ چنانچہ عرفات العاشقین کی عبارت نقل کرنے کے بعد ارشاد فرماتے ہیں:

"عرفات العاشقین میں معلوم نہیں قاآن ملک سلطان محمد بلبن ایک ہی ساتھ کیوں لکھ دیا گیا ہے۔ قاآن ملک محمد سلطان تو شہزادہ کا نام تھا اور بلبن اس کا باپ تھا" (ص ۲۰۵)

عرفات العاشقین کے علاوہ ریاض الشعراء اور مجمع الفصحاء میں بھی سلطان محمد بلبن بہ اضافت ہی ہے صرف گل رعنا کے مؤلف نے عربی طریقہ کو اختیار کیا ہے۔ فاضل مؤلف کو شاید معلوم ہو کہ فارسی میں ولدیت کی تصریح عربی قاعدہ کے مطابق ضروری نہیں۔ فارسی کے معتبر اور قدیم مصنفین تک عموماً اضافت کے ذریعہ ابنیت کو ظاہر کرتے ہیں۔ مسعود سعد سلمان مشہور شاعر ہے۔ کیا مؤلف کے خیال میں یہ مجموعۂ اسماء ایک ہی فرد کا نام ہے اسی طرح فخر مدبر اپنا نام محمد منصور سعید ابو الفرح (الخ) بتاتا ہے تو کیا مؤلف کے نزدیک یہ سلسلۂ دراز تنہا فخر مدبر کا نام ہوگا۔ میں یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ فارسی کے مستند مصنفین مثلاً بیہقی، نظامی عروضی، منہاج، عوفی اور عطار وغیرہ عربی قاعدہ کے مطابق لفظ ابن کا استعمال کرنے کے بجائے اکثر و بیشتر اسی اضافت سے کام لیتے ہیں۔ عام طور پر بو علی سینا، محمود سبکتگین لکھتے بولتے ہیں جو غلط نہیں بلکہ قطعاً صحیح طریقہ تعبیر ہے محمد خان بن عبد الوہاب قزوینی کی تحریروں میں اس مسئلہ پر کافی روشنی ڈالی گئی ہے۔

بہر حال محمد بلبن کے متعلق مؤلف کو جس قسم کی غلط فہمی ہوئی ہے وہ دوبارہ حسن سجزی کے ذکر میں نظر آتی ہے۔ فرماتے ہیں:

"ان کا اصل نام نجم الدین حسن تھا بعض تذکرہ نویسوں نے ان کا نام نجم الدین بن علاء سجزی لکھا ہے علاء ان کے والد بزرگوار کا نام تھا اس لئے انھوں نے شاید والد کے اسم گرامی کی مناسبت ہی سے فوائد الفواد کے دیباچہ میں اپنے کو حسن علاء سجزی لکھا ہے" (ص ۳۱۹)

اگر مؤلف کو اس اضافت سے واقفیت ہوتی تو یہ سوال پیدا ہی نہ ہوتا کہ حسن سجزی نے دیباچہ میں اپنا نام حسن علاء سجزی کیوں لکھا اور حسن بن علاء سجزی کیوں نہیں لکھا۔ نیز "مناسبت" کے پردہ میں انھوں نے جو تاویل فرمانے کی کوشش کی ہے اس کی ضرورت ہی پیش نہ آتی۔

یہ خفیف سی لغزش اپنے نتائج کے اعتبار سے نہایت سنگین ہے میں جناب مؤلف کو باور کرانا چاہتا ہوں کہ محمد بلین کے معنی عمید کے قصیدہ میں وہی ہیں جو محمد بن بلین کے ہو سکتے ہیں۔

مؤلف نے اپنے دعوی کے ثبوت میں ایک اور قرینہ پیش کیا ہے جو حسب ذیل ہے:

"یہ یقین کرنے میں تامل ہوتا ہے کہ ستاسی برس کی عمر میں اس نے ایک نوجوان شہزادہ کے دربار کی ناصیہ سائی کی ہو۔ شہزادہ محمد سلطان کا علمی دربار ملتان میں ۶۷۸ھ سے ۶۸۳ھ تک قایم رہا اگر ۶۷۸ھ سے پہلے عمید اس کے یہاں پہنچا تو بھی اس کی عمر ستر سے زیادہ تھی اس عمر میں ایک نوجوان شہزادہ کی مدحی بظاہر قابل قبول نہیں معلوم ہوتی" (ص ۲۰۶)

اس تحریر کی بنیاد عمید کی تاریخ ولادت پر قایم ہے۔ تھوڑی دیر کے لئے اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ ولادت کی وہی تاریخ صحیح ہے جو Rankingg نے نکالی ہے اور جس پر مؤلف کو اصرار ہے تو بھی اس کہن سالگی میں عمید کا ایک نوجوان شہزادہ کے دربار سے جو علم و ادب کا زبردست سرپرست سمجھا جاتا تھا، وابستہ ہونا قابل قبول کیوں نہیں ہو سکتا حالانکہ اسی نوجوان شہزادہ کے متعلق مؤلف کا بیان ہے کہ اس نے سعدی شیرازی کو ان کے عہد پیری میں ملتان تشریف لانے کی دعوت بہ اصرار دی تھی (ص ۲۵۴)، وہ تو شیراز سے ملتان کی بعید مسافت تھی کہ پیری آڑے آئی ورنہ کیا عجب تھا کہ کہن سال سعدی کو بھی

اس نوجوان کا دربارِ علم وادب ملتان کھینچ لاتا۔ اس کے علاوہ سلطان غیاث الدین بلبن کے حضور میں شعراء کی وہ قدر و منزلت کہاں تھی جو ان کو قاآن ملک محمد کے دربار میں میسر آسکتی تھی۔ خود مؤلف کے الفاظ ہیں:

"بلبن کو علماء و مشائخ سے کچھ ایسی دل چسپی رہی کہ وہ شعراء کی طرف مائل نہ ہو سکا.....
وہ ذوق شعری سے کچھ ایسا عاری تھا کہ علماء کی طرح شعراء اس کے دربار میں رسوخ حاصل نہ کر سکے
مگر اس زمانہ کے شعراء کو بلبن کے شہزادوں اور امراء کے دربار دں میں ایسا ملجا و ماویٰ مل گیا
تھا کہ ان کو بلبن کے عدمِ التفات کا احساس مطلق نہ ہوا۔" (ص ۲۴۴ - ۲۴۵)

مؤلف کی تحقیق میں جب بلبن کا یہ حال تھا تو اس کے بعد قاآن ملک محمد کے دربار سے عمید کا وابستہ ہونا خود بخود یقین کے درجہ کو پہنچ جاتا ہے۔ گرچہ شاعر کی زندگی اس وقت ستراسی کے لگ بھگ ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن اس کی صحیح تاریخ ولادت معلوم کر لینے کے بعد تو معمّر ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ (باقی)

العلم والعلماء

یہ جلیل القدر امام حدیث علامہ ابن عبدالبر کی شہرۂ آفاق کتاب "جامع بیان العلم و فضلہ" کا نہایت صاف اور شگفتہ ترجمہ ہے، مترجم کتاب مولانا عبدالرزاق صاحب ملیح آبادی اس دور کے بے مثال ادیب اور مترجم سمجھے جاتے ہیں موصوف نے یہ ترجمہ حضرت مولانا ابوالکلام آزاد کے ارشاد کی تعمیل میں کیا تھا جو اب ندوۃ المصنفین سے شائع کیا گیا ہے۔ علم اور فضیلتِ علم کے بیان، اہلِ علم کی عظمت اور ان کی ذمہ داریوں کی تفصیل پر خالص محدثانہ نقطۂ نظر سے آج تک کوئی کتاب اس مرتبہ کی شائع نہیں ہوئی، اس متبرک کتاب کی ایک ایک سطر سونے کے پانی سے لکھنے کے لائق ہے، ایک زبردست محدث کی کتاب اور ملیح آبادی صاحب کا ترجمہ، موعظتوں اور نصیحتوں کے اس عظیم الشان دفتر کو ایک دفعہ ضرور پڑھیے۔ صفحات ۳۰۰، بڑی تقطیع۔ قیمت چار روپے آٹھ آنے۔ مجلد پانچ روپے آٹھ آنے۔